تحریر: اکرام اللہ ساجد کیلانی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور کثرتِ ازواج

نظامِ کائنات پر غور فرمائیے! آگ کی حدت اور برف کی برودت، جھلسا دینے والی گرمی اور کپکپا دینے والی سردی، دن کی روشنی اور رات کی تاریکی، خزاں کی بے رونقی اور بہار کی بہاریں کانٹوں کا زہر اور پھولوں کی صباحت و ملاحت، پتھر کی ٹھوس اور سنگلاخ چٹانیں اور پانی کی روانی کفر و شرک کی آندھیاں اور اسلام کی رحمت آلود گھٹائیں غرض اضداد و اختلافات کا ایک سلسلہ ہے جس پر دنیا کی بقا کا انحصار ہے۔

اگر پانی آگ کو ٹھنڈا نہ کرے اور آگ پانی کو ہوا میں تحلیل نہ کرے، سردی کے بعد گرمی اور گرمی کے بعد سردی نہ آئے، روشنی کے بعد تاریکی اور تاریکی کے بعد روشنی جنم نہ لے، اگر بہار کا انجام خزاں اور خزاں کا نتیجہ بہار نہ ہو، گل کے ساتھ کانٹا اور کانٹے کے ساتھ پھول نہ ہو اور اگر پتھر کی سنگینی کے مقابلے میں پانی کی روانی نہ ہو تو اس دنیا کا باقی رہنا مشکل ہے۔

بالکل اسی طرح اگر نیکی برائی سے برسرِ پیکار نہ ہو اور برائی نیکی کے راستے میں حائل نہ ہو تو نیکی اور برائی دونوں کا وجود مٹ جائے، اگر کفر و شرک کی تیرہ و تاریک آندھیاں نہ چلیں تو توحید و وحدت کے سرچشمے کبھی نہ پھوٹیں۔ اور اگر کفر اسلام کے درپے آزار نہ ہو اور اسلام کفر کو نیست و نابود کرنے کے لئے شمشیر بکف نہ ہو تو کفر اور اسلام دونوں کا باقی رہنا محال ہے۔ چنانچہ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے جہاں کفر کی حالت کا نقشہ یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھھم، یعنی یہ لوگ اللہ کے نور کو اپنے منہ کی

پھونکوں سے بجھانا چاہتے ہیں، کے الفاظ سے کھینچا ہے۔ وہیں اسلام کی حمایت میں یہ بھی بیان فرما دیا ہے
"واللہ متم نورہ ولو کرہ المشرکون"، کہ اللہ اپنے نور کا حافظ و نگہبان ہے اگرچہ کفار اسے کتنا ہی
ناپسند کریں۔

غیر اسلامی نظریات رکھنے والے اسلام کے دشمن اسلام کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کا تہیہ کئے ہوئے ہیں اور اس مقصد کے حصول کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے چلے آ رہے ہیں۔ لیکن اب تک اسلام کی مضبوط چٹان سے اپنا سر ٹکرا کر پاش پاش کرنے کے علاوہ کچھ نہیں کر سکے۔ بلاشبہ اس بات کا سہرا قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کے سر پر ہے، جنہوں نے شجرِ اسلام کی آبیاری اپنے خون سے کر کے اسے پروان چڑھایا ہے۔

موجودہ دور کے مسلمانوں کی بدقسمتی یہ ہے کہ وہ علم دین اور اسلامی تعلیمات سے برگشتہ ہوتے چلے جا رہے ہیں اور جو لوگ اسلام سے وابستہ رہنا چاہتے ہیں، اور اس کی روایات کو اپناتے ہوئے ہیں، انہیں اپنے ہی لڑائی جھگڑوں سے مفر نہیں۔ تو اس صورت میں کیا ہمیں یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اسلام مٹ جائے گا، اور انوارِ الٰہی کو کفر و شرک کی آندھیاں اپنی لپیٹ میں لے لیں گی؟ ہرگز نہیں! اللہ تو خود اپنے دین کا محافظ ہے۔ البتہ یہ ضرور ہو گا کہ ہم مٹ جائیں گے۔ اگر ہم نے خود کو اسلام کے دفاع کے لئے تیار نہ کیا، اور تعلیمات اسلامی جیسے مؤثر ہتھیار سے اپنے آپ کو لیس نہ کیا تو اسلام کو تو کچھ گزند نہ پہنچے گا۔ ہاں دنیا ہمارے وجود سے ضرور پاک ہو جائے گی اور پھر ——؟

ہماری داستاں تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں!

یورپ کے مستشرقین اور غیر اسلامی نظریات کے مالک آج بھی اسلام کے درپے آزار ہیں اور اپنے فریب اور مکاریوں کے جال میں کم علم مسلمانوں کو پھانسنے کے لئے بے تاب نظر آتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر کمینگی اور کیا ہو گی کہ وہ داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر بھی حملہ کرنے سے نہیں چوکتے۔ اور طرح طرح کے وسواس پھیلا کر سادہ لوح مسلمانوں کو ان کے دین، ان کے رسول اور ان کے خدا سے برگشتہ کرتے چلے جا رہے ہیں۔ مگر اس میں ان کا کیا قصور ہے وہ تو

اپنا کام کر رہے ہیں قصور تو ہمارا ہے جو ان کی شاطرانہ چالوں سے واقف ہونا ہی نہیں چاہتے اور جنہیں اپنے فرائضِ منصبی کا احساس تک نہیں۔

آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ ہی کو لیجئے غیر مسلموں نے آپ کی ذاتِ اقدس پر کس قدر رکیک حملے کئے ہیں۔ اور اس کے مقابلے میں اپنی قوتِ دفاع کا اندازہ لگائیے کہ ہم کس قدر تہی دست اور خالی الذہن ہیں۔ مثلاً ایک سوال یہ کیا جاتا ہے کہ "جب قرآن مجید میں چار سے زیادہ شادیوں کی ممانعت ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیک وقت نو بیویوں سے عقد کیوں فرمایا؟

اس "سوال سے زیادہ اعتراض" کا جواب دینے کے لئے آپ اپنے گرد و پیش نظر دوڑائیے اور ذہنِ رسا پر زور دے کر سوچئے کہ کتنے فی صد مسلمان ہم میں موجود ہیں جو اس کا کافی و وافی جواب دے سکیں گے؟ زیادہ سے زیادہ پانچ یا دس فی صد، ورنہ اکثر تو ہم میں ایسے ہوں گے۔ کہ جنہیں اس اعتراض کے وجود کی ہی خبر نہ ہو گی۔ تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہمارے عامۃ المسلمین تعلیماتِ اسلامیہ سے مستغنی کیوں رہنا چاہتے ہیں اور یا پھر ہمارے علماءِ دین ہی (الّا ماشاءاللہ) ان مسائل میں دلچسپی کیوں نہیں لیتے؟ کیا وہ اس طرح اپنی حمیّتِ دینی اور غیرتِ اسلامی کا جنازہ اٹھتے دیکھ لیں گے؟ یا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان باتوں سے دامن بچا لینے کے باوجود وہ ان کے تباہ کن اثرات سے محفوظ رہ سکیں گے؟ (واللہ الموفق)

ذیل میں اس اعتراض کا جواب مدلّل طور پر دیا جاتا ہے تاکہ عامۃ المسلمین استفادہ فرما سکیں۔

مندرجہ بالا اعتراض کے الفاظ پر اگر غور کیا جائے تو اعتراض کی وجہ اور اس کا محرک سمجھنا کچھ مشکل نہ ہو گا۔ اکبر الہ آبادی فرماتے ہیں:

کہا منصور نے خدا ہوں میں ڈاروِن بولا، بوزنا ہوں میں
ہنس کے کہنے لگے مرے اک دوست فکرِ ہر کس بقدرِ ہمت اوست

ایک اقدارِ روحانی کا حامل ذہن تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کے کسی پہلو

کو بھی اسے فعلِ رسول کی حیثیت دیتے ہوئے قابلِ تنقید و اعتراض نہیں سمجھتا۔ اس کے لئے تو باوثوق ذرائع سے یہ معلوم کر لینا ہی کافی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں کام کیا۔ اور اس کے بعد وہ اس پر "آمنّا و صدّقنا" کی مہر تصدیق ثبت کر دیتا ہے۔ اس وقت اس کے ذہن میں "کیوں" اور "کیسے" کے سوالات کی قطعاً گنجائش نہیں ہوتی کیونکہ وہ بخوبی سمجھتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول اور ہر فعل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ قرآن مجید اس کی شہادت یوں بیان فرماتا ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰى ۝۔

اسے ایک صحیح العقیدہ مسلمان کا عقیدہ سمجھ لیں یا اسے مسلمانوں کی کمزوری کا نام دیجئے کہ وہ آپؐ کے ہر فعل کی وجہ جواز کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ بہر حال یہی وہ چیز ہے جس سے معاندینِ اسلام نے ناجائز فائدہ اٹھایا اور آپؐ کی ذاتِ اقدس کو ہدفِ تنقید بنانے کی ناپاک جسارت کی۔ چنانچہ ایک مادہ پرست ذہن جب آپؐ کی سیرت و کردار کا جائزہ لیتا ہے۔ دریں حالیکہ اس نے اپنی آنکھوں پر تعصّب کی عینک بھی چڑھا رکھی ہو تو وہ آپؐ کے ہر قول اور فعل کو روحانیت اور مصلحت کی کسوٹی پر پرکھنے کی بجائے مادیت کے نقطۂ نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیک وقت نو بیویوں سے عقد فرمانے میں ان مادہ پرستوں کو کوئی مصلحت ـــــ جو کہ ظاہر و باہر ہے ـــــ نظر نہ آئی اور انہوں نے اسے مقتضائے جسمانی کا سبب قرار دیا۔ کیوں نہ ہو، کُلُّ اِنَاءٍ يَتَرَشَّحُ بِمَا فِيْهِ۔!

اس ناانصافی اور صریح ظلم کا پول کھولنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کا بغور جائزہ لیا جائے۔ اور ان مصالح سے واقفیت حاصل کی جائے۔ جو آپؐ کے اس فعلِ حسنہ میں پوشیدہ تھیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ آپؐ کی حیاتِ مبارکہ کے ۶۳ سال میں سے ابتدائی ۲۵ سال کمال تجرّد سے گذرتے ہیں۔ جس بزرگ نے ۲۵ سال تک عین عنفوانِ شباب اور جوشِ جوانی کا زمانہ کمال تقویٰ اور نہایت ورع کے ساتھ پورا کیا ہو اور جس کے حسنِ مردانہ کے کمال نے اعلیٰ سے اعلیٰ خواتین کو اس سے تزویج کا آرزو مند کر دیا ہو، اس کے باوجود بھی ربع صدی تک اس کے تجرّد و تفرّد پر کوئی شے غالب نہ آئی ہو،

اور جس نے اپنی سیرت و کردار کا ایک ایسا عملی نمونہ پیش کیا ہو کہ تمام دنیا کیلئے مشعل راہ بن جائے ایسے شخص کی نسبت اعلیٰ رائے قائم کرنے میں کون سی چیز مانع ہے؟ جس مقدس ہستی نے ۲۵ سے ۵۰ سال تک کی عمر کا زمانہ ایک ایسی خاتون کے ساتھ بسر کیا ہو جو عمر میں ان سے ۱۵ سال بڑی اور ان سے پیشتر دو شوہروں کی بیوی رہ کر کئی بچوں کی ماں بن چکی ہو اور معمر ہو چکی ہو اور پھر اس مدتِ تزویج کے پورے زمانہ میں حضورؐ کی دل بستگی و محبت میں ذرا کمی نہ آئی ہو بلکہ اس خاتون کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد بھی حضورؐ نے ہمیشہ اس کی یاد کو تازہ رکھا ہو، کیا ایسی ہستی کی نسبت کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ (خاکم بدہن) اس تزویج کی وجہ وہی تھی، جو عام طور پر پرستارانِ حسن کی شادیوں میں اکثر پائی جایا کرتی ہے؟ اور یا جو دانایانِ فرنگ کی عقل کا ماتم کرتی ہوئی نظر آتی ہے؟

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں سے (۵۵ تا ۵۹ سال کی درمیانی مدت کا) پنج سالہ زمانہ ایسا ہے۔ جب ازواج مطہرات سے حجرات آباد ہوئے تھے۔ اور ظاہر ہے یہ عمر شادی کے لئے کسی صورت موزوں نہیں سمجھی جاتی خصوصاً جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بھی موجود ہے کہ:۔

مالی فی النساء حاجۃٌ (مجھے عورتوں کی کوئی حاجت نہیں) تو اس صورت میں یہ سمجھنا کچھ مشکل نہ ہو گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس قدر نکاح کئے ان کی بنیاد فوائدِ کثیرہ دین، مصالح جمیلہ ملک اور مقاصدِ حسنۂ قوم پر قائم تھی۔ اور ان فوائد، مصالح اور مقاصد کا حصول اس قدیم ترین زمانہ اور عرب جیسے جمود پسند اور روایت پسند ملک میں تزویج کے بغیر ممکن ہی نہ تھا۔ [1]

اُمّ المومنین حضرت صفیہؓ کے نکاح کا مقصدِ حسنہ:۔

ام المومنین حضرت صفیہؓ کے نکاح پر غور کیجئے، اس سے پیشتر جس قدر لڑائیاں مسلمانوں کے

---

[1] نپولین بوناپارٹ کی دوسری شادی پر غور فرمایئے جو خاص پوپ کی موجودگی میں صرف اس لئے ہوئی کہ بوناپارٹ کی نسل باقی رہے۔ اس شادی کو سارے یورپ نے تسلیم کیا حالانکہ اس شادی کا مقصد ان مصالح کے مقابلے میں جو انبیائے خدا کی تزویج میں ہوتے ہیں ذرہ بے مقدار کی حیثیت بھی نہیں رکھتا۔

خلاف کفار نے لڑیں ان میں سراً یا علانیۃً یہود کا تعلق ضرور ہوتا تھا۔ لیکن چونکہ حضرت صفیہؓ کا نسب یہودا ابن یعقوب تک منتہی ہوتا ہے۔ لہٰذا تزویجِ صفیہؓ کے بعد یہود مسلمانوں کے خلاف کسی جنگ میں شامل نہیں ہوئے۔ دیکھئے یہ نکاح کس قدر ضروری تھا۔ اور یہود کو رام کرنے کا یہ کس قدر موثر اقدام تھا۔ بلاشبہ یہود کی مخالفت مسلمانوں کے لئے دردِ سر بنی ہوئی تھی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس امر کا احساس تھا کہ اگر یہود اسلام کی راہ میں روڑے نہ اٹکائیں تو ترویج و ترقی اسلام میں بہت سی روکاوٹیں از خود دور ہو سکتی ہیں۔

تزویج اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ حبیبہؓ اور اس کے فوائد:۔

امّ المومنین حضرت ام حبیبہؓ ابوسفیان کی بیٹی تھیں۔ جو عمائد قریش میں سے تھا۔ اور قوم کا نشانِ جنگ اس کے گھر میں رکھا رہتا تھا۔ جب یہ نشان باہر کھڑا کیا جاتا تو تمام قوم پر آبائی ہدایات اور قومی روایات کے اتباع میں لازم ہو جاتا تھا کہ سب کے سب اس جھنڈے کے نیچے فوراً جمع ہو جائیں اور لڑنے مرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ احد، حمراء الاسد، بدر الاخریٰ اور احزاب وغیرہ کی لڑائیوں میں ابوسفیان ہی اس نشان کو لئے ہوئے قائدِ قریش بنا مسلمانوں کے خلاف صف بستہ نظر آتا ہے۔ لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دور اندیشی کی بنا پر حضرت ام حبیبہؓ سے نکاح فرمایا تو ابوسفیان نہ صرف مسلمانوں کے خلاف فوج کشی کرتا نظر نہیں آتا بلکہ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد خود بھی اسلام کے جھنڈے تلے آکر پناہ لیتا ہے۔ کیا اب بھی کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے۔ کہ یہ نکاح غیر ضروری اور دور از مصلحت تھا۔

نکاح امّ المؤمنین جویریہؓ اور امنِ عامہ:

ام المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے نکاح میں جو مصلحت پوشیدہ ہے وہ یہ ہے کہ ان کا باپ مشہور رہزن ڈکیتی پیشہ ہونے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں سے خاص دلی عداوت رکھتا تھا۔ بنو مصطلق کا مشہور طاقتور اور جنگجو قبیلہ جو چند در چند شعوب پر محتوی تھا۔ اس کے اشارہ پر کام کرتا تھا۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس تزویج سے پیشتر ہر ایک جنگ میں جو مسلمانوں کے خلاف ہوئی،

اس قبیلہ کی شرکت ضرور ہی پائی جاتی ہے۔ لیکن اس نکاح کے بعد یہ منافرتیں نابود ہو جاتی ہیں تمام قبیلہ قزاقی چھوڑ کر متمدن زندگی اختیار کر لیتا ہے اور پھر مسلمانوں کے خلاف کسی جنگ میں حصہ نہیں لیتا۔ ذرا غور کیجیے کہ یہ نکاح کس قدر ضروری اور لابدی تھا۔

تزویج ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے فوائد:۔

ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی ایک بہن نجد کے سردار کے گھر میں تھیں، یہ اہلِ نجد وہ تھے کہ جنہوں نے ستر داعظان دین کو دھوکہ سے اپنے ملک میں لے جا کر قتل کر دیا تھا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمتِ عملی اور دُور اندیشی ملاحظہ فرمایئے کہ انہوں نے حضرت میمونہؓ سے عقد فرما کر اہل نجد کے سردار سے اپنا رشتہ استوار کر لیا۔ اور آپؐ کی توقع کے عین مطابق اس رشتہ کی وجہ سے اہل نجد نہ صرف صلح دامن سے آشنا ہوتے ہیں، بلکہ مشرّف بہ اسلام بھی ہو جاتے ہیں۔ اور وہ اہل نجد جن سے اکثر نقضِ امن اور فساد انگیزی کے واقعات ظہور میں آ چکے تھے، صلح وآشتی کا پیغام بن جاتے ہیں۔ چنانچہ ہر ایک شخص، جو امنِ عامہ اور فوائدِ اصلاحِ ملک کا منکر نہیں، اسے یہ تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ یہ نکاح بھی اپنی جگہ بہت ضروری اور نہایت بابرکت تھا۔

تزویج اُم المومنین حضرت زینب بنت جحشؓ اور تثلیث وتبنیت کی بُت شکنی:

یہاں ان وجوہات اور مصالح کا ذکر ذرا تفصیل سے کیا جائے گا جو ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح کا سبب بنیں۔

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ ان کا پہلا نکاح زیدؓ بن حارثہ کے ساتھ ہوا تھا۔

زید بن حارثہؓ اگرچہ حسب ونسب کے لحاظ سے نجیب الطرفین تھے تاہم لڑکپن ہی ایک گروہ نے ان کو اٹھا لیا اور سُوقِ حباشہ میں ان کو فروخت کر دیا۔ حکیم بن حزام انہیں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی خدمت کے لئے خرید لائے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہؓ سے عقد فرمایا تو ان کے ساتھ حضرت زید بن حارثہؓ بھی حضور صلعم کی خدمت

میں آ گئے[۱]۔ کچھ عرصہ بعد حضرت زیدؓ کے والد اور چچا جو ان کی تلاش میں تھے لوٹ لگاتے لگاتے مکہ معظمہ پہنچ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ زیدؓ کو واپس کر دیا جاتے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سلوک اپنے اس غلام کے ساتھ اس قدر مشفقانہ تھا کہ حضرت زیدؓ نے خود ہی اپنے والدین کے ساتھ واپس جانے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کو ترجیح دی اور اس طرح حضرت زیدؓ مستقل طور پر دامنِ رسولؐ سے وابستہ ہو کر رہ گئے۔

مندرجہ بالا واقعات شاہد ہیں کہ دنیاوی رسوم کے مطابق حضرت زیدؓ بلاشبہ ایک غلام تھے ۔ غلام — ایک تحقیر آمیز لفظ، دورِ جاہلیت کے ظلم وستم کی ایک زندہ تصویر، آزاد ماں کے پیٹ سے آزاد پیدا ہونے والے شخص کی ذہنی، جسمانی اور عملی، آزاد صلاحیتوں کا جمود اور تعطل!

لیکن دانایانِ فرنگ ہمہ تن گوش ہوں، اسلام کو "آزادی کا دشمن" اور غلامی کا موجد[۲] جیسے خطابات سے نوازنے والے دل تھام لیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پورے کنبے کی مخالفت کے باوجود، زمانے کی ساری مخالف قوتوں سے ٹکرا کر، رسومِ جاہلیت کے بت کو پاش پاش کر کے اپنے اس غلام کی شادی، ایک آزاد عورت، وقت کے سب سے معزز قبیلہ قریش کی معزز خاتون اور اپنی سگی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے کر دیتے ہیں خاندان کی آن کے محافظ چیختے ہیں، رسم ورواج، سماج اور معاشرہ بیک آواز ہو کر صدائے احتجاج بلند کرتے ہیں۔ کبر ونخوت کے دیو چنگھاڑتے ہیں، لیکن عزیمت ووقار کا یہ مجسم، صلح وآشتی کا یہ پیامبر، شفقت ورحمت کا یہ بحرِ ناپیدا کنار اپنے ایک ہی ریلے میں ان تمام مخالف قوتوں کو اپنی آغوش میں سمیٹ کر غرق کر ڈالتا ہے۔

لیکن بات یہیں پر ختم نہیں ہو جاتی۔ ابھی ایک اور اس سے سخت آزمائش باقی ہے۔

---

[۱] انہیں حضرت خدیجہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دیا تھا ۱۲ منہ۔

[۲] عنقریب اس موضوع پر بھی ایک مقالہ لکھا جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی اپنے شوہر زید بن حارثہ رضؓ سے نہیں بنتی، ہر طریقہ آزمایا جاتا ہے، ہر قوتِ برداشت سے کام لیا جاتا ہے۔ لیکن میاں بیوی کے متفرق ذہن کوئی بات قبول نہیں کرتے اور بالآخر نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ زید بن حارثہؓ حضرت زینب بنت جحشؓ کو طلاق دے دیتے ہیں۔

اس طلاق کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ مبارک پر کیا اثر ہوا ہوگا۔ اوّل تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مصلحتِ دینیہ کو صدمہ پہنچا جس کے استحکام کی خاطر آپؐ نے زمانے بھر سے ٹکر لی تھی، دوم زینبؓ اور ان کے خاندان والوں کی اطاعت اور اس اطاعت کے ضمن میں انکے آماجِ مصیبت ہونے کا واقعہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رحم پرور قلب کے لئے کچھ کم صبر آزما نہ تھا۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی آسمانی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت فرماتے ہیں کہ زینبؓ کے قلبِ محزون کو اطمینان اور تسلی صرف اسی صورت حاصل ہو سکتی ہے کہ حضور صلعم خود ان سے عقد فرما لیں۔

رسم و رواج کی زنجیریں دوبارہ کھڑکھڑاتی ہیں، تبنیت کا بت مجسم احتجاج بن جاتا ہے، سماج اور معاشرہ کی شوریدہ سر لہریں دوبارہ اس چٹان سے ٹکرانے لگتی ہیں لیکن خدا کا حکم پورا ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو امّ المومنین ہونے کا شرف عنایت فرما دیتے ہیں۔ اللہ اکبر! مصالح دینی کا یہ مرقع، جس کے اس فعل حسنہ سے متبنیٰ گری کی جڑیں کٹ گئیں اور تبنیت و تثلیث[۱] کا بت چکنا چور ہو کر سمندر میں غرق

[۱] کافروں کی رسم تبنیت کے ساتھ ساتھ تثلیث کا بت بھی پاش پاش ہو گیا۔ کیونکہ جب ثابت ہو گیا کہ ایک انسان کو دوسرے کا بیٹا کہنا ایسی حالت میں کہ دونوں کے درمیان خون کا رشتہ نہ ہو، بالکل جھوٹ اور کامل افترا و بہتان ہے تو ظاہر ہے کہ ایک انسان کو خدا کا بیٹا کہنا بھی قطعاً اور حتماً باطل ہے اور دروغ بے فروغ۔ کیونکہ انسان کو خدا کے ساتھ ذرہ برابر مشابہت نہیں ہے۔ یہ جسم اور روح سے مرکب انسان جو سینکڑوں حوائج جسمانی کا محتاج ہے جو ایک دن پیدا ہوا ہے اور اس سے پہلے نہ تھا۔ جو ایک دن مر جائے گا۔ اور لقمۂ اجل بنے گا۔ کیونکر اس "الحی القیوم لا یموت" کا فرزند ہو سکتا ہے۔ جس کی ذات سرمدی ازل سے بھی اوّل اور ابد سے بھی آخر ہے (رحمۃ للعٰلمین: ج ۲)

ہوگیا اور ایک غلط معاشرہ کی پروردہ غلط رسم کا خاتمہ ہوگیا۔ اب اسلام نے عملاً یہ ثابت کر دکھایا کہ متبنیٰ (منہ بولا بیٹا) حقیقی بیٹے کی جگہ کسی صورت نہیں لے سکتا۔ نہ ہی وراثت میں حقیقی بیٹے کی طرح حصہ دار بنایا جاسکتا ہے۔ اور نہ ہی متبنیٰ کی مطلقہ بیوی بیٹا بنانے والے پر حرام ہوتی ہے۔ ہاں حقیقی بیٹے کی بیوی باپ پر قطعاً حرام ہے۔ اور حضرت زیدؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متبنیٰ ہونے کے باوجود حقیقی بیٹے کی حیثیت نہیں رکھتے لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت زیدؓ کی مطلقہ بیوی سے نکاح کرنے میں کوئی جھجک مانع نہ ہونی چاہیے۔ یہ تھی وہ مصلحتِ دینی جس کی خاطر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینبؓ سے عقد فرمایا۔ کیا کوئی بھی ذی ہوش اس شادی کی افادیت سے انکار کر سکتا ہے؟

قصۂ تزویج حضرت امِّ سلمہؓ اور اس کا بنیادی سبب:۔

حضرت امِّ سلمہؓ حضرت ابوسلمہؓ کی بیوی تھیں۔ ابوسلمہؓ قدیم الاسلام تھے۔ کفارِ مکہ کی سختیوں سے تنگ آکر انہوں نے ہجرتِ مدینہ کا قصد فرمایا۔ لیکن ابوسلمہؓ کے والدین نے جو کافر تھے، ان سے ان کے بیٹے سلمہ کو چھین لیا کہ خود جہاں جی چاہے جاؤ ہم سلمہ کو تمہارے ساتھ نہیں بھیجیں گے۔ اسی طرح حضرت ام سلمہؓ کے والدین نے بھی اپنی بیٹی (ام سلمہؓ) کو ان کے ساتھ بھیجنے سے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا کہ ایک مسلمان کے ساتھ ہم اپنی بیٹی کو نہیں بھیج سکتے۔ حضرت ابوسلمہؓ کے لئے بیٹے اور بیوی سے علیحدگی کا تصور بھی ہولناک تھا۔ لیکن صبر و استقامت کا یہ پیکر اللہ کے دین کی خاطر ان دونوں کو مکہ میں چھوڑ کر مدینہ کی طرف روانہ ہوگیا۔

اب حضرت امّ سلمہؓ مکہ میں اکیلی تھیں۔ وہ ہر روز شام کو اس مقام پر، جہاں سے ان کو ان کے شوہر اور بچہ سے جدا کیا گیا تھا، جاکر رونی رہیں۔ یہ سلسلہ ایک سال تک جاری رہا تب جاکر ان کے ظالم والدین کو ان کی حالت پر رحم آیا۔ اور انہوں نے حضرت ام سلمہؓ کو مدینہ جانے کی اجازت دے دی۔ حضرت ام سلمہؓ اپنے بچے کو لے کر تن تنہا مدینہ کے لئے روانہ ہوگئیں۔

راستے میں انہیں عثمانؓ بن طلحہ (کلید بردار خانہ کعبہ ملے) جو انہیں کمال شرافت و امانت کے ساتھ مدینہ تک چھوڑ آئے۔

حضرت ابوسلمہؓ جنگ بدر میں شریک ہوئے اور پھر جنگ احد میں شہادت کے مرتبہ پر فائز ہو کر راہئ عالم بقا ہوئے۔

حضرت ام سلمہؓ نے ان کی شہادت کا بے حد اثر لیا اور انہوں نے ارادہ فرمایا کہ تا زندگی اپنے شوہر کا سوگ منائیں گی کہ آئندہ اس کی مثال نہ مل سکے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو آپؐ نے ان سے اس کا سبب پوچھا۔ حضرت ام سلمہؓ نے جواب دیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں ابوسلمہؓ کو کیوں نہ روؤں کیا اس سے بہتر شخص مجھے کوئی مل سکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ذہنی اذیت کا اندازہ لگاتے ہوئے فرمایا،

"کیوں نہیں؟ کیا میں ابوسلمہ سے بہتر نہیں؟"

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے عقد فرما لیا اور اس طرح آپؐ نے ان کے قلبِ محزون اور دلِ مضطر کی تسلی کا سامان کر دیا۔ ظاہر ہے اس شادی میں بھی رسولؐ اللہ کی اپنی خواہش کو کچھ دخل نہ تھا بلکہ اس واقعہ میں آپ کا جذبۂ ترحم، ہمدردی اور حد درجہ مہربانی کارفرما نظر آتی ہے۔

حضرت زینبؓ سے آپ کی شادی حد درجہ نتیجہ خیز ثابت ہوئی کیونکہ آپ بے حد ذہین و فطین تھیں امورِ عامہ میں اکثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورے میں شریک ہوا کرتی تھیں۔ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفارِ مکہ کی "بظاہر" حد درجہ کڑی شرائط تسلیم فرمالیں اور اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو قربانی کا حکم دیا تو صلح کی شرائط سے متاثر پریشان مسلمانوں نے تعمیلِ حکم میں پس و پیش سے کام لیا۔ تو وہ حضرت ام سلمہؓ ہی تھیں۔ جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکیمانہ مشورہ دیا کہ "آپ خود اپنی قربانی ذبح کر دیں۔ آپ کی دیکھا دیکھی تمام مسلمان آپ کے حکم کی تعمیل کریں گے" — واقعات شاہد ہیں کہ ام سلمہؓ کا یہ اندازہ سو فیصدی درست ثابت ہوا۔

تزویج حضرت زینب بنت خزیمہؓ حضرت حفصہؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ:۔

ام المساکین حضرت زینب بنت خزیمہؓ کی شادی میں بھی ہمیں وہی حالات کار فرما نظر آتے ہیں۔ جو حضرت ام سلمہؓ کے عقد مبارک کا سبب بنے تھے۔

حضرت زینب بنت خزیمہؓ اس سے قبل تین دفعہ بیوہ ہو چکی تھیں۔ اور ان کی تسلی و تشفی کی خاطر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اقدامِ نکاح فرمایا۔ اس تزویج سے اشاعتِ اسلام میں کافی مدد ملی۔

حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کے نکاح نے بھی اتفاق قرآن و حفاظت کتاب اللہ اور نشرِ احادیث و تعلیم النساء کے بارے میں فوق العادۃ کام کئے اس بات کا اندازہ احادیث کے ان اعداد و شمار سے ہو سکتا ہے۔ جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہیں۔

صحیحین میں متفق علیہ حدیثیں	=	۱۷۴
صرف صحیح بخاری میں	=	۵۴
صرف صحیح مسلم میں	=	۶۷
دیگر کتبِ معتبرہ میں	=	۲۰۱۷
کل تعداد	=	۲۳۱۲

حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کی تزویج سے خلافتِ صدیق و عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہما) کو بھی کافی تقویت ملی۔ اور ان کو زیادہ سے زیادہ بابرکت اور پر منفعت بنانے کا سبب بنی۔ اور یہ ایسے فوائد ہیں کہ ترویجِ اسلام، اشاعتِ دین اللہ اور آئینِ جہانبانی کے نقطۂ نظر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی طرح بھی ان سے دست بردار نہ ہو سکتے تھے۔

مذکورہ بالا فوائد نمونہ ہیں ان اغراض و مقاصدِ دینیہ کا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر ایک نکاح سے مدِ نظر تھے اور جن کا احصاء ہمارے لئے قریباً ناممکن ہے۔

یہاں یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ آپؐ کی تمام ازواج مطہرات میں سے سوائے حضرت

عائشہؓ کے تقریباً سبھی ایک یا دو دفعہ بیوہ ہو چکی تھیں۔ اور جب یہ حقیقت ہمارے پیشِ نظر ہے تو یہ ظاہر ہے کہ تعدّدِ ازدواج سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مدّعائے اعلیٰ انبیائے سابقین کی سنّت پر عمل کرنے کے علاوہ ضروریاتِ ملکی اور مصالحِ دینی پر بھی مشتمل تھا۔ تو ہر ایک شخص کو جو سر میں دماغ اور دماغ میں فہم کا صحیح مادہ رکھتا ہے، یہ اقرار کرنا پڑے گا کہ نبی صلعم کے لئے ایسا کرنا ہی شایانِ شان بلکہ لابدی اور ضروری تھا۔ اور اگر آپؐ ایسا نہ کرتے تو بہت سی مصلحتوں سے ملک و قوم اور اسلام کو محروم ہونا پڑتا اور یہ محرومی بلاشبہ اس مصلحِ قوم کی شان کے منافی ہوتی جسے خدا نے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا تھا۔

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا۔!

واللہ متم نورہٖ ولو کرہ الکفرون ٥

شوال

حج کے مہینوں میں سے یہ پہلا مہینہ ہے، اس میں عید کا دن ہے۔ جو مغفرتِ ذنوب کا دن ہے، اس روز نمازِ عید ادا کرنا واجب ہے۔

عید کی نماز سنت نبویؐ کے مطابق ادا کرنی چاہیے۔ ہم نے اس کے احکام کا تفصیلی بیان "موعظہ حسنہ" میں کیا ہے۔ اس نماز سے پہلے یا بعد کوئی سنت یا نفل ادا نہیں کئے جاتے۔ یہ صرف دو رکعت پر مشتمل ہے۔ پہلی رکعت میں سات تکبیریں اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں ہیں (حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی انہی تکبیرات کو راجح قرار دیا ہے) اور نماز کے بعد دو خطبے ہیں یہ دونوں خطبے مستحب ہیں۔ واجب نہیں، نماز سے پہلے یا بیٹھ کر خطبہ دینا بدعت ہے۔ (اتباع الحسنۃ فی جملۃ ایام السنۃ)